جنوبی ایشیاء میں ہندو مسلم کشمکش کا ایک تنقیدی مطالعہ

ڈاکٹر سید آصف علی رضوی☆

مشہور صحافی آغا شورش کاشمیری لکھتے ہیں کہ ''نیپال'' کی سرحد سے ذرا اِدھر میں نے ایک بوڑھے نحیف و نزار کسان کو روک کر پوچھا ووٹ کسے دو گے ؟ اس نے غور سے دیکھا اور لاٹھی ٹیکتا چل پڑا۔ میں نے پیچھے سے آواز دے کر پوچھا بھائی کچھ تو کہہ جاؤ۔

میاں ہمارا ووٹ کلمہ کے ساتھ ہے کلمہ کے ساتھ ؟ میں نے استفسار کیا جی ہاں ! کلمہ کے ساتھ اُس نے جواب دیا کلمہ سے تمہاری کیا مراد ہے ؟ میں نے پوچھا۔ مسلم لیگ

24 سال ہوئے ابھی تک اس کسان کی تصویر میری آنکھوں کے سامنے ہے ان الفاظ کو تحریر کرتے وقت میں اس کو اپنی آنکھوں کے سامنے موجود پا رہا ہوں مجھے کامل یقین ہے کہ وہ کسان پاکستان نہیں آیا ہوگا نہ وہ آسکتا تھا۔ لیکن جس یقین کے ساتھ اُس نے جواب دیا وہ میرے دل پر نقش ہے اس کو معلوم تھا کہ وہ من حیث المجموع ہندوؤں کے چنگل میں ہیں۔ ان کے پاس تعلیم نہیں۔ اُن کے مکانوں سے پاکستان بہت دور ہے راستہ بہت کٹھن ہے۔ لیکن ہزاروں کی ہندو آبادی میں ایک مسلمان کیلئے بھی یہ نعرہ بہت پرکشش تھا کہ

جیسے لیا تھا ہندوستان - ویسے بنے گا پاکستان

یا

بولو بھیا ایک زبان - بن کے رہیگا پاکستان

کیونکہ صدیوں کے تجربات نے ان کے ذہن میں یہ بات راسخ کر دی تھی کہ لیگ ان کا جواہی حملہ اور پاکستان ان کی عافیت کا حصار ہے''(۱)

زیر نظر مقالہ میں صدیوں کے انہی عوامل اور مسلمانان ہند کے انہی جذبات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

وادیٔ فاران کی چوٹیوں سے جوازانِ حق بلند ہوئی اس نے دیکھتے ہی دیکھتے انسان کو اس کی گم گشتہ راہ دکھلا دی۔ انسانیت کی اس عدیم المثال معراج کو خالق کائنات نے اتممت علیکم نعمتی قرار دیتے ہوئے اس کو الیوم اکملت لکم دینکم کی منزل قرار دیا۔ بعد ازاں محسنِ کائنات ﷺ نے اپنے تمام پیروکاروں کو مجتمع کیا اور اپنی تعلیمات کا اعادہ کرنے کے بعد واضح طور پر حکم کیا کہ حاضر لوگوں کا فرض ہے کہ غیر حاضر تک یہ پیغام پہنچائیں (۲) یہ اسی حکم کا نتیجہ تھا کہ جس سوار کی سواری کا رُخ جس

☆ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ تاریخ و مطالعہ پاکستان۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور

طرف تھاوہ نکل گیا۔ نتیجتاً تھوڑے ہی عرصہ میں ایشیاء۔ افریقہ اور یورپ تک اسلام کا پیغام ان مجاہدین کے ذریعے پہنچ گیا۔ اسی طرح کے ایک مجاہد محمد بن قاسم نے آٹھویں صدی عیسوی ۷۱۲ء میں ہند کے بتکدوں میں توحید کا چراغ روشن کیا پھر یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ ۱۱ویں صدی ء میں مسلمان سندھ سے نکل دکن کے سو مناتوں میں مسجدِ قوت الاسلام قائم کرنے میں کامیاب ہوئے اور بہار و بنگال کو (۱۲۰۱) سرنگوں کر لیا گیا ۱۲ویں صدی عیسوی میں (۱۵۲۶) مغل تاریخ کے افق پر جلوہ گر ہوئے۔ ۱۷ویں صدی ء میں مغل اقتدار اپنے نصف النہار پر پہنچا لیکن بعد ازاں جب مسلم حکمرانوں نے پیغمبر اعظم و آخر ﷺ کی ہدایت کو پس پشت ڈال دیا تو نتیجہ یہ نکلا کہ سات سمندر پار سے آنے والی مٹھی بھر اقلیت انگریزوں نے 1857ء میں مسلم اقتدار کی بساط لپیٹ دی۔ اس طرح اقتدار کا وہ سفینہ جو آٹھویں صدی ء میں ساحلِ دیبل کے کنارے آن لگا تھا انیسویں صدی ء میں جمنا کے کنارے ڈوب گیا۔

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی آمد فاتحین کی تھی۔ فاتحین بھی ایسے کہ جو نہایت قلیل التعداد ہونے کے باوجود سرخرو رہے۔ انہوں نے تقریباً ہر معرکہ میں شاندار فتح و نصرت حاصل کی نیز ان کو ہمیشہ یہ احساس دامن گیر رہا کہ وہ ایک ایسی ابھرتی ہوئی تہذیب و ثقافت کے امین ہیں جنہوں نے دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں اور تہذیبوں کو تسخیر کیا ہے چنانچہ ہند کے ان فاتحین کی ذہنی نمو اور فکری تاریخ میں یہ احساس مستقل جاری و ساری رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی تہذیب و نظریہ کی ترویج و اشاعت کے لئے انہوں نے ہند کے مشرکوں کیساتھ وہی سلوک کیا جو کہ وہ اس سے قبل اہل کتاب کے ساتھ کر چکے تھے۔ یعنی انہیں ''ذمی'' قرار دیا تاکہ اس حسنِ سلوک سے وہ مسلمانوں کے قریب آجائیں۔ انہوں نے اس پر ہی بس نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنی شاعری، رہن سہن حتی کہ عبادات کی مجالس تک کو اس رنگ میں ڈھالا کہ کہ ہندو اس میں کشش محسوس کریں۔ چنانچہ قوالیاں۔ شب برات میں چراغاں، دھمال تعزیے اور علم انہی کوششوں کے مظہر ہیں۔ حضرت بابا فریدؒ۔ حضرت امیر خسرو (ف 25-1324) اور مادھولال حسین ان کوششوں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ نیز بھگت کبیر داس اور باباگرونانک (1469-1538) اسی طرز فکر کے حامل تھے۔ یہ کوشش علماء اور صوفیاء تک ہی محدود نہ تھیں۔ بلکہ حکمرانوں نے بلا امتیاز مذہب اہل لوگوں کو ذمہ داریاں تفویض کیں جس کی گواہی سی پی آر نے دی کہ

> اورنگ زیب نے ایک استفسار پر حکم جاری کیا کہ سلطنت کے کاروبار میں مذہب کو دخل نہیں دینا چاہیے۔ شاہی نوکریاں لوگوں کو ان کی قابلیت اور صلاحیت کے موافق ہی ملنا چاہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ یہ بادشاہوں کا قول ہی نہ تھا بلکہ عمل بھی تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد (1658 تا 1707) میں ہندوؤں کو گورنر بنایا۔ گورنر جنرل بنایا۔ یہاں تک کہ اس نے خالص مسلم صوبہ افغانستان

پر جو نائب السلطنت بدنایا وہ ہندو راجپوت ہی تھا (۳)

حکمرانوں سے لے کر علمائے کرام اور صوفیائے عظام تک یہ سب کچھ اس لئے کر رہے تھے کہ اس حسن سلوک سے ہندو اسلام کے قریب آجائینگے لیکن نہ ایسا ہوا اور نہ ہی ایسا ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ہندوؤں نے اپنے گرد ایک ایسا حصار کھینچا ہوا ہے کہ وہ اپنے علاوہ دوسروں کو حقیر۔ کمتر بلکہ ملیچھ سمجھتے ہیں۔ یہ احساسات ہندو تہذیب کی قدیم ترین میراث میں سے ایک ورثہ ہے جس کی تصدیق البیرونی نے کی کہ ہندوؤں کا تمام تر تعصب براہ راست ان تمام قوتوں کے خلاف ہے جو ان سے تعلق نہیں رکھتیں وہ تمام غیر ملکیوں سے کسی قسم کا تعلق رکھنا پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ایسا کرنے سے وہ ناپاک ہو جائیں گے۔ وہ ہر اس چیز کو ناپاک کہتے تھے جو کسی غیر ملکی کی آگ یا پانی سے بھی چھو جائے۔ وہ کسی ایسے فرد کو خوش آمدید نہیں کہہ سکتے تھے جو ان سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ (۴)

ان معاشرتی روایات کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ہندو مت میں سخت قسم کی قوتِ مزاحمت ہے۔ ایسی مزاحمت کہ جب ہندو کمزور ہوتا ہے تو وہ اپنے نظریات و خیالات کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ وقتی طور پر وہ قوتِ مزاحمت کو ختم کر لیتا ہے اور بدلتے ہوئے حالات کے مطابق وہ اپنے آپ کو ڈھال لیتا ہے یا ڈھلا ہو نظر آتا ہے۔ لیکن جوں ہی اس کو موقع ملتا ہے وہ اپنی تمام تر مصلحتوں کو خیر آباد کہہ دیتا ہے۔ اس بنا پر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ ہندو طبعاً اسلام دشمن ہے۔ اور اس کی سرگرمیاں ابتداء ہی سے مسلمانوں کے خلاف ہیں۔ لیکن جوں جوں جنوبی ایشیاء میں مسلمانوں کی حیثیت مستحکم ہوتی چلی گئی ہندوؤں کے مذہبی تعصبات میں بھی شدت آتی چلی گئی یہ شدت محض مذہبی حلقوں یا فکری سوتوں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ اس کا دائرہ زندگی کے تمام شعبوں کو احاطہ کئے ہوئے تھا (۵)

مسلمان برصغیر میں ایک فاتح کی حیثیت سے آئے تھے۔ لیکن ہندوؤں کے مقابلے میں ہمیشہ اقلیت میں رہے۔ اپنے تحفظ کے لئے انہیں ہمہ وقت بیدار رہنا پڑا۔ اسی بیداری نے ان کو زندہ سلامت رکھا۔ چنانچہ مسلمانوں کے سیاسی غلبے کے زمانے میں ہندوؤں کے جارحانہ عزائم کا کامیابی کے ساتھ سدباب ہوتا رہا۔ نیز ہندوؤں کے ان جارحانہ عزائم کی بناء پر مسلمانوں کا جداگانہ تشخص کا احساس بھی ترقی پاتا رہا۔ اس معاشرتی کیفیت سے جو نتائج اخذ ہو سکتے ہیں وہ یہ ہیں کہ

۱۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ اپنے جارحانہ عزائم اور نفرتوں کا اظہار کیا'

۲۔ ایک فاتح لیکن اقلیت ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کو اس امر کا شدت سے احساس رہا کہ ہندوؤں کے ساتھ تمام حسن سلوک کے باوجود ان سے تعاون کی توقع نہیں کی جا سکتی وہ نہ اپنے قائم کردہ حصار سے باہر نکلنا چاہتے ہیں اور نہ کسی کو اس حصار میں داخل ہونے کی اجازت دے سکتے ہیں۔

مسلم اقتدار کا دوسرا دور (1000ء) محمود غزنوی سے شروع ہوا اور عروج زوال کی منزلوں سے گزرتا ہوا اورنگ زیب کے زمانے میں اپنے عروج پر پہنچا۔ لیکن اس تمام عرصے میں اسلام سے عداوت اور اپنا تحفظ ہندومت کی بنیادی پالیسی رہی کیونکہ اس دور تک ہندومت اپنی فطری بزدلی اور صدیوں پر محیط تاریخی عمل سے اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ بر ہمن موقع کے انتظار میں رہا۔ البتہ اس دوران جب بھی کوئی نیا خاندان حملہ آور ہوا تو ہندو جرنیلوں نے تمام تر وفاداریاں فراموش کرتے ہوئے حملہ آوروں کا ساتھ دیا۔ مثلاً جب بنگال میں افغانوں پر مغل حملہ آور ہوئے تو وہ تمام ہندو جاگیردار اور عمال سلطنت جو کہ افغانوں کے دربار سے وابستہ تھے مغلوں کے دست و بازو بن گئے (۶) محض اس لئے کہ نئے حکمرانوں کے ساتھ فتح مندیوں میں شریک ہو سکیں اور اس سے بڑھ کر ان کی مسلم حکمرانوں کی دشمنی کی تسکین ہو۔ اسی احساس کے تحت میواڑ کے راجہ سنگرام سنگھ (م ء1529) المعروف رانا سانگا نے ابراہیم لودھی (م ء 1526) اور ظہیر الدین بابر (1483 تا 1530) کی جنگ پانی پت (1526ء) میں خاموشی اختیار کی تھی کہ ایک ختم ہو جائے گا اور دوسرا کمزور اور کمزور کو ہم ختم کر کے رام راج قائم کریں گے (۷)

الغرض محمد بن قاسم سے لیکر اورنگ زیب عالمگیر تک ہندو اپنے خول میں بند رہ کر مسلمانوں کے خلاف نفرت۔ حقارت اور دشمنی کے جذبات پالتا رہا۔ اس نے تمام تر وسیع القلبی رواداری اور نسلی ہم آہنگی کے باوجود ان کو غاصب۔ لٹیرے اور بدیسی گردانا۔

اٹھارویں صدی کے آغاز میں ہی تیموری خاندان کی آپس کی خاندانی جنگوں اور عالمی بدلتے ہوئے حالات سے پہلوتہی کی بدناء پر وہ کمزور ہوتے چلے گئے اور ہندو قوی ہونے لگے (۸) ہندوؤں کی ازلی وابدی دشمنی کی بدناء پر مسلمانوں کی بقاء کا مسئلہ پیدا ہونے لگا اور مسلم مفکرین اور دانشور بھی کسی یوسف بن تاشفین (۹) (1006ء 1107) کا انتظار کرنے لگے حضرت شاہ ولی اللہ (1703 تا 1762) کے سیاسی مکتوبات اسی فکر کے گرد گھومتے ہیں جو انہوں نے احمد شاہ ابدالی (1723 تا 1772) کو لکھے ہیں (۱۰) گو یہ پہلے دو قومی نظریہ محض شرعی بنیادوں پر استوار ہوتا تھا لیکن اس دور میں جغرافیائی حوالے زیادہ نظر آتے ہیں۔ نیز پہلے دور میں اپنی حکومت کو استحکام بخشنے کے لئے دو قومی نظریے کی ترویج واشاعت ضروری تھی۔ جب کہ اب اپنے وجود کو چیرہ دستیوں سے محفوظ کرنے کے لئے دو قومی نظریے کی اشاعت اور حفاظت ناگزیر تھی۔

احمد شاہ ابدالی' شاہ ولی اللہ کی دعوت پر ہندوستان 1761ء میں آیا اور مرہٹوں کی صورت میں جو چیلنج بر صغیر کی ملت اسلامیہ کو درپیش تھا اسکا قلع قمع کر دیا (۱۱) لیکن بڑی سے بڑی موثر قوت بھی صرف اسی صورت میں ثمر بار ہو سکتی ہے جب معاشرے کی مقتدر قوتیں فکر و عمل سے مزین ہوں۔ لیکن ایسا

نہیں تھا مسلم معاشرہ روبہ زوال تھا۔ چنانچہ وہ مرہٹوں سے تو محفوظ ہو گیا لیکن برطانیہ کے یونین جیک کے سامنے 1857ء میں سرنگوں ہو گیا۔

مسلم اقتدار کے سرنگوں ہوتے ہی ہندومت نے ایک نئی انگڑائی لی اور وہ اپنے نظریات کی ترویج و اشاعت میں اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ مصروف عمل ہو گیا۔ تشخص کی حفاظت' اقتدار کا تحفظ اور نظریات کی آبیاری ہر گروہ انسانی کا بنیادی حق ہے اسی طرح قوم کی محبت ایک مستحسن قدم ہے بشرطیکہ اس تمام عمل کی بنیاد کسی دوسرے مذہب کی مفاد کے خلاف نہ ہو لیکن ہندوؤں نے احیائے نو میں اس اصول کو پس پشت ڈال دیا۔ مسلم دور اقتدار میں ہندومت نے مسلمانوں کی تمام تر وسیع القلبی کے باوجود الگ تھلگ رہنے کی پالیسی اختیار کی لیکن جوں ہی مسلم قوتیں کمزور ہوئیں اور انہوں نے دیکھا کہ نئے حکمران بھی مسلمانوں کے خلاف ہیں تو انہوں نے اپنی حکمت عملی فوراً تبدیل کی۔ ہندو قیادت نے یہ پالیسی وضع کی کہ ہندو قوم پرستی کو بھی ابھارا جائے اور ان میں مذہبی عصبیت بیدار کی جائے چنانچہ ان کے سیاسی رہنما' ادیب' شاعر اور مذہبی پنڈتوں نے اس مقصد کے حصول کے لئے مسلمانوں کے خلاف محاذ بنایا۔ ان کے لیڈروں نے برملا کہا کہ مجھے وہ کام کرنا چاہیے کہ جو ہندوؤں کے فائدے کا ہو۔ اس کام سے اجتناب کرنا چاہئے جو ان کے لئے باعث نقصان ہو یہ تصور قومیت کا پہلا حصہ ہے دوسری اقوام کے لئے جو چیز اچھی ہے وہ ضروری نہیں کہ ہمارے لئے بھی اچھی ہو ایسی حالت میں ہمیں اس طرح کام کرنا چاہیے کہ انہیں فائدے سے محروم کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے اگر ہمیں دوسری اقوام پر ظلم بھی کرنا پڑے تو ہمیں اس سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ اور یہ قومیت کے مقصد کا دوسرا حصہ ہے (۱۲)

بات یہیں تک محدود نہ رہی بلکہ ہندوؤں نے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کا کھلم کھلا اعلان کر دیا ڈاکٹر مونج نے کہا کہ

''تمہارا اتحاد جب ہی مضبوط ہو گا جب تم مسلمانوں کو شدھی کے ذریعے ہندو بنالو گے اور اس مقصد کے لئے جسمانی قوت پیدا کرو (۱۳)

ایک اور ہندو رہنما لالہ ہر دیال نے کہا کہ

''ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا صرف ایک ہی حل ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو شدھی کے ذریعے ہندو قوم میں شامل کیا جائے (۱۴)

غالباً اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ :

اسلام سے اختلاط سے قبل قدیم ہندو تہذیب میں اس قدر کشش تھی کہ اس ملک پر ابتدائی حملہ آور اقوام میں یونانی ساکا اور ھن رفتہ رفتہ مقامی آبادی میں جذب ہو کر اپنا تشخص پوری طرح کھو بیٹھیں۔ لیکن یہ بات ترک مسلم آوروں کے ساتھ نہ ہوئی۔ مسلمانوں کے حملوں کے ساتھ ٹھوس معاشرتی اور مذہبی

تصورات جو ہندوستانی افکار سے اصولی طور پر مختلف تھے اس ملک میں آئے اور یوں نئے حملہ آوروں کا مقامی آبادیوں کے ساتھ اوغام نہ ہو سکا الغرض ہندومت اسلام کو تو اپنے اندر جذب نہ کر سکا اس کے برعکس وہ اسلام سے متاثر ہوا (۱۵)

مسلمانوں کو دوہرے چیلنج کا سامنا تھا۔ انگریزوں نے روز اول سے ہی مسلمانوں کو اپنا حریف سمجھا۔ 1765ء میں لارڈ کلائیو رابرٹ (1725 تا 1774) نے شاہ عالم ثانی (1759 تا 1806) سے بنگال کے دیوانی حقوق حاصل کئے تو بے شمار مسلمان جو دیوانی اور مالی محکموں سے وابستہ تھے روزگار کھو بیٹھے۔ کمپنی نے ان عطیات پر بھی قبضہ کر لیا جو مسلم حکمرانوں نے مدارس اور خانقاہوں کو بخشی تھیں بیک جنبش قلم آٹھ ہزار (8000) وقف منسوخ ہو گئے (۱۲) جس سے مسلمانوں کا تعلیمی نظام اپنا استحکام کھو بیٹھا۔

1792ء میں لارڈ چارلس کارنوالس (1738 تا 1805) نے بنگال میں بندوبست دوامی نافذ کیا نتیجتاً وہ ہندو محصلین جو اس وقت چھوٹی چھوٹی نوکریاں کرتے تھے زمیندار بن گئے کیونکہ انہیں زمین پر مالکانہ حقوق حاصل ہو گئے (۱۷) اب مسلمان زمیندار تنگ دست ہو گئے اور نوبت یہاں تک آگئی کہ مسلمان زمیندار کا تناسب 95% سے گھٹ کر 5% رہ گیا۔

فارسی کی بجائے انگریزی سرکاری زبان قرار دے دی چنانچہ انگریزی سے ناواقف افراد ملازمتوں کے لئے نااہل ہو گئے چنانچہ زمینداری کیساتھ ساتھ سرکاری ملازمتوں سے بھی بے دخل ہو گئے (۱۸) مسلمانوں کے نظام عدلیہ کی جگہ برطانوی طرز کی عدالتوں کے قیام سے مسلم اشرافیہ کو عدلیہ سے محروم کر دیا گیا بات یہیں تک محدود نہ رہی مسلم جولاہوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک۔ مسلم صنعتوں پر غیر منصفانہ قوانین کا لاگو کرنا اور تجارتی لین دین میں گماشتوں کا کردار وہ حکمت عملی تھی جس نے اس ملک کی درآمدات کا گلا گھونٹ دیا (۱۹) جس کی زد بھی مسلمانوں پر پڑی کیونکہ ہندو بیرونی تجارت میں شریک نہیں تھا کیونکہ یہ اس کے نظریہ و مذہب کے خلاف تھی۔

اس سارے عمل کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب نئے حکمران آتے ہیں تو سابقہ حکمرانوں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے لیکن یہاں صورت حال قدرے مختلف ہے کہ

۱۔ محمد بن قاسم سے لیکر بہادر شاہ ظفر (1775 تا 1862) تک کسی بھی حکمران نے ایسی پالیسی اختیار نہیں کی جس کا بنیادی مقصد کسی بھی خاص نظریہ یا نسل کی بیخ کنی کرنا ہو۔ بلکہ انہوں نے بلا امتیاز مذہب و نسل باشندگان ہند کو مراعات دیں۔

۲۔ انگریزوں کی یہ پالیسی ہندوستان کے خلاف نہیں تھی بلکہ ہندوستانی مسلمانوں کے خلاف تھی چنانچہ انگریزوں کی یہ پالیسی نہ تو ہندو کی ماضی کی روایات کی عکاس تھی اور نہ ہی اسکو محض انتقال اقتدار کے

نتائج سے تعبیر کیا جا سکتا ہے بلکہ وجہ یہ تھی کہ مغربی مسیحی تہذیب کو اپنے سن بلوغ کے وقت مسلمانوں سے صلیبی جنگیں لڑنا پڑیں۔ اس میں مغربی تہذیب کو نا قابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا چنانچہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت مغربی مسیحی تہذیب کی فطرت بن چکی ہے چنانچہ جو فاتح اپنی وراثت میں نفرتیں اور انتقام لے کر آئے ہوں اور ان کو یہاں پر سراج الدولہ آف بنگال (ف 1757) ٹیپو سلطان آف میسور (ف 1799ء) سید احمد شہید (1786 تا 1831) اور فرائضی تحریک (1831) سے نبرآزما ہونا پڑا ہو پھر 1857ء میں سب سے زیادہ سخت وقت بھی اسی قوم نے دیا ہو تو اس کے خلاف انتقامی کاروائیاں کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ انگریز حکمرانوں نے اس کو چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی' ساری دنیا کو اخلاق' مساوات' قانون اور آئین کی پاسداری کا درس دینے والی قوم جوشِ انتقام میں اندھی ہو رہی تھی۔ انتقام کی آگ بجھانے کے لئے انہوں نے ایک طرف تو چھوٹے چھوٹے جرم پر پھانسی۔ کالے پانی اور جائیداد ضبطی کی سزاؤں کا اعلان کیا اور دوسری طرف یہ پالیسی اختیار کی کہ ہندوؤں کو زیور تعلیم سے آراستہ کر کے صرف انہیں ہی آگے بڑھایا جائے۔

انگریزوں نے اپنی پالیسی کا بر ملا اظہار بھی کیا۔ چنانچہ لارڈ ایلن برا نے 1842ء میں ڈیوک آف ویلنگٹن کو لکھا کہ ہمیں کل آبادی کے 9/10 حصہ یعنی ہندوؤں کی سرپرستی کرنا چاہئے کیونکہ وہ ہمارے نہایت وفادار ہیں۔ (۲۰) اسی طرح ولیم ہنٹر (1840 تا 1900) نے بھی لارڈ ایلین کو یہ قول نقل کیا ہے کہ میں اپنی آنکھوں کو کیسے بند کر لوں جب کہ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ مسلمان بحثیت قوم ہمارے لئے دشمنی کا جذبہ رکھتے ہیں اور اس کا توڑ یہی ہے کہ ہم ہندوؤں کے سر پر ہاتھ رکھیں۔ (۲۱) بذات خود ولیم ہنٹر کا بھی یہی خیال تھا کہ مسلمان بحثیت مجموعی بے حد ذہین وفطین' ہوشیار و باخبر' منظم اور مسلح لیکن ہمارے بنیادی حریف (۲۲)

اس پس منظر میں ہندو رہنما اپنی قوم کو یہ باور کرانے لگے کہ مسلمانوں نے اس ملک پر غاصبانہ قبضہ کیا۔ ہندوؤں کو جبراً مسلمان بنایا اور ان کے مندروں کو پیوند خاک کر کے اپنی مساجد تعمیر کیں یہ کام محض سیاسی جلسوں اور پرارتھنا کی مجلسوں کے ذریعے ہی نہیں کیا جا رہا تھا۔ بلکہ اس مقصد کے لئے باقاعدہ کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ بنگالی مورخ بنکم چندر چٹرجی (1838 تا 1894) کے ناولوں راج سبھا' شیارام اور آنند مٹھ مسلم دشمنی کے اظہار کے لئے ہی لکھے گئے تھے۔ بندے ماترم کا ترانہ آنند مٹھ سے ہی لیا گیا ہے لارڈ زیٹ لینڈ نے اس ترانے کے بارے میں لکھا ہے کہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ گیت نہیں اعلان جنگ ہے جو ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف اپنی قومی تحریک چلانے کے لئے وضع کیا تھا۔ قائداعظم نے بھی اس ترانے کو نعرہ جنگ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اس سے شرک کو بو آتی ہے (۲۳) جب کہ پنڈت جواہر لال نہرو (1889 تا 1864) نے اپریل 1838ء کو قائداعظم کو لکھا کہ اس گیت کے دو بند ورکنگ کمیٹی

نے بطور قومی ترانہ منظور کئے ہیں ان میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو کسی کے لئے بھی باعث آزار ہو (۲۴)

بنگال میں جو کام بنکم چندر چٹرجی (1838 تا 1894) کر رہا تھا مہاراشٹر میں اسی منصوبے پر بال گنگا دھر تلک (1857 تا 1920) مصروف عمل تھا۔ مہاشٹر میں اسنے گنیش پوجا (1897) اور گئو رکھشا (1907) کی تحریکیں شروع کیں وہ کھلم کھلا اس امر کا پرچار کرتا تھا کہ اگر مسلمان گئو رکھشا سے باز نہ آئیں تو ان پر منظم حملے کئے جائیں۔ انہی ایام میں سوامی دیانند سرسوتی (1824 تا 1883) نے مذہبی تحریک ''آریہ سماج'' کی 1875ء میں بنیاد رکھی اور اسلام عیسائیت پر کڑی نکتہ چینی کی اس کا مقصد ہندو قوم پرستی کا ارتقاء تھا جس کے حصول کے لئے کھلی جارحیت کی راہ اختیار کی گئی چنانچہ مسلمانوں کو دھمکی دی گئی کہ یا تو وہ ہندومت کی آغوش میں آجائیں ورنہ ملک چھوڑ جائیں اس مقصد کے حصول کے لئے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں بھی منظم کی گئیں۔ سنگھٹن کے مقصد کے بارے میں اس کے بانی ڈاکٹر مونجے نے وضاحت یوں کی کہ جس طرح انگلستان انگریزوں کا' فرانس فرانسیسیوں کا اور جرمنی جرمنوں کا وطن ہے اسی طرح ہندوستان ہندوؤں کی جنم بھومی ہے اگر ہندو متحد ہو جائیں تو وہ انگریزوں اور ان کے وفادار مسلمانوں کو نیچا دکھا سکتے ہیں اس نے یہ بھی کہا کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کا ہے مسلمان یہاں مہمان ہیں اور اگر ان کو یہاں رہنا ہے تو ان کو چاہیے کہ یہاں مہمان بنکر ہی رہیں۔ (۲۵)

ان ناگفتہ بہ اور پر آشوب حالات میں سر سید احمد خان (1817 تا 1898) میدان عمل میں اُترے ان کے کام کا دائرہ کار ہر شعبہ زندگی پر محیط ہے۔ لیکن سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ انہوں نے ایک طرف رسالہ اسبابِ بغاوت ہند لکھ کر انگریزوں کو ان کی غیر دانشمندانہ پالیسی کا احساس دلایا۔ جس کی وجہ سے انگریزوں نے کسی حد تک مسلم کش پالیسی پر نظر ثانی کی۔ دوسری طرف انہوں نے مسلمانوں کو ہندوؤں کے مسلم دشمن عزائم کی طرف متوجہ کیا اور اس کے سدباب کے لئے باقاعدہ منصوبہ بندی کی چنانچہ انہوں نے مغربی پارلیمانی نظام' مقابلے کے امتحانات کا انعقاد کانگریس میں مسلمانوں کی شمولیت اور فارسی و اردو کی جگہ دیوناگری رسم الخط میں ہندی زبان کو سرکاری زبان قرار دینے کی مہم کی زبردست مخالفت کی۔ انہوں نے کانگریس کے صدر بدرالدین طیب جی کو 1888ء میں لکھا کہ!

> کیا مرے دوست طیب جی ان جزئیات کو نظر انداز کرتے ہوئے جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں مشترک ہیں۔ مجھے بتلائیں گے کہ کوئی ایک بھی بنیادی سیاسی مسئلہ ایسا ہے جو کانگریس کے سامنے پیش کیا جائے اور وہ مسلمانوں کے خلاف نہ ہو۔ (۲۶)

یہ بات سر سید ہی نہیں کہہ رہے تھے مشہور مورخ گارساں دتاسی نے لکھا ہے کہ ہندو اپنے تعصب کی بنا پر ایسے کام میں مزاحم ہوتے ہیں جو ان کو مسلمانوں کے دورِ حکومت کی یاد دلائے (۲۷) چنانچہ سر سید احمد

خان نے کانگریس پالیسیوں کے خلاف تقریریں کیں۔ مضامین لکھے حتیٰ کہ انہوں نے 1888ء میں کانگریس کے مقابلے میں انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی جس کے مقاصد میں کانگریس کی غلط پالیسیوں کی نشاندھی تھی۔ سرسید نے مسلمانوں کے نام خط بھی شائع کیا۔ اس میں اہم فقرہ یہ بھی شامل تھا کہ

> اگر بفرض محال کانگریس کے مقاصد پورے ہو جائیں تو ہندوستان میں مسلمانوں کا حال یہودیوں سے بھی بدتر ہو جائے گا جس کی نسبت خدا نے فرمایا ہے کہ وَ ضُرِبَت عَلَيهِم الذِلة وَالمَسكَنةُ (۲۸)

> سرسید احمد خان کی مخالفت اس قدر مفید تھی کہ مولانا محمد علی جوہر (1878 تا 1931) نے کہا کہ سرسید احمد خان کا یہ عمل نہایت دانشمندی پر مبنی تھا۔ میں یہ بات بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ مسلمانان ہند کا کوئی بھی خیر خواہ اس راہ کے علاوہ دوسری اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ (۲۹)

علامہ محمد اقبال (1873 تا 1938) نے سرسید احمد خان کی پالیسیوں کے بارے میں کہا

> میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں کہ آج سے نصف صدی قبل سرسید نے مسلمانوں کے لئے جو راہِ عمل اختیار کی تھی وہ درست تھی اور آج تلخ تجربوں کے بعد ہمیں اس راہِ عمل کی اہمیت محسوس ہو رہی ہے (۳۰)

سرسید احمد خان نے یہ مہم اس قدر کامیابی سے چلائی کہ ڈاکٹر لال بہادر جو کہ سرسید کا نقاد ہے نے لکھا کہ سرسید کے ہم مذہبوں نے ان سے مذہبی اختلافات تو کئے لیکن کانگریس سے علیحدہ رہے (۳۱) انڈین نیشنل کانگریس کے صدر بدرالدین طیب جی نے بھی سرسید احمد خان کی ان کوششوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ سرسید کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے تمام اخبارات ان کی سماجی تنظیمیں اور ان کی سیاسی قیادت سرسید احمد خاں کے پیش کردہ نظریات کی بناء پر کانگریس سے الگ تھلگ رہے۔ (۳۲)

سرسید احمد خاں کی ان کوششوں اور ان کے نتائج کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ سرسید وہ پہلے مسلم رہنما تھے جنہوں نے برطانوی ہند میں دو قومی نظریہ پیش کیا اور اس معاشرتی کیفیت کی بھرپور اور مدلل انداز میں نشاندھی کر دی جو ہند کی معاشرتی زندگی کی ایک بہت ہی بڑی حقیقت تھی۔ انہوں نے دو قومی نظریہ پیش کر کے اور وہ بھی برطانوی ہند میں جہاں بسنے والی نسل انسانی میں کوئی ہم آہنگی نہیں نیز اکثریت کی حکومت کے سلسلے میں دشواریوں کی نشاندھی کر کے انہوں نے نہ صرف حقیقی مسئلہ پر انگلی رکھدی بلکہ بالواسطہ حل بھی پیش کر دیا کہ ایسی دو قوموں کو ایک ہی نظام

کے تحت چلانے سے مملکت کا وجود ہی نہیں رہے گا کیونکہ سر سید احمد خاں کی دور بین نگاہیں دیکھ چکی تھیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان حقیقی اتحاد کا ہونا بالکل ناممکن ہے اس اتحاد کے لئے جلال الدین محمد اکبر (1556 تا 1605) نے بڑی ریاضت کی اس نے گوشت موقوف کر دیا۔ ہندوؤں کے مذہبی تہواروں میں شرکت کی حتیٰ کہ ایک نیا دین ''دین الٰہی جاری کیا لیکن ہندو مسلم اختلافات ختم کرنے اور دونوں قوموں میں باہمی اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کی تمام کوششیں جنھیں مکمل طور پر سرکاری ترغیب و تحریص حاصل تھی اکبر کے جانشین نور الدین جہانگیر (1605 تا 1627) کے دور میں ہی ختم ہو گئیں حالات کے اس پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے رچرڈ سمنڈز سر سید احمد کے بارے میں لکھتا ہے کہ سیاست کے میدان میں انہوں نے کہا تھا کہ مسلمان ایک قوم ہیں جو اکثریتی ووٹ سے قائم کردہ نظام حکومت میں نہ مدغم ہو سکتے ہیں اور نہ انہیں کیا جانا چاہیے نیز یہ کہ اہل پاکستان سر سید کے بارے میں یہ دعوی کرنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ اس ملک کے بانیوں اور خالقوں میں سے ایک ہیں (۳۳)

سر سید احمد خاں نے ایک دعویٰ یہ بھی کیا کہ

> اب ہندی اردو تنازعہ بہار کے موقع پر مجھے یقین ہو گیا کہ دونوں قومیں کسی کام میں دل سے شریک نہ ہونگی ابھی تو بہت کم ہے۔ آگے آگے اس سے زیادہ مخالفت اور عناد ان لوگوں کے سبب جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں بڑھتا نظر آتا ہے جو زندہ رہے گا وہ دیکھے گا۔ (۳۴)

سر سید کے اس انتباہ کے باوجود ہندوؤں نے بشمول کانگریس رہنماؤں کے مسلمانوں کی تالیف قلب کی بجائے مسلم کش رویوں میں اور زیادہ شدت پیدا کر لی۔ چنانچہ 16 اکتوبر 1905ء کی تقسیم بنگال کے خلاف ہندوؤں نے ایک زبردست مہم کا آغاز کر دیا۔ اس مہم میں کانگریس پیش پیش تھی حالانکہ وہ کل ہند کی نمائندگی کی دعویدار تھی او تقسیم بنگال محض یک انتظامی فیصلہ تھا لیکن اس فیصلہ کی بناء پر مسلمانوں کو چند تعلیمی اور معاشی سہولیات کا امکان تھا اس لئے پوری ہندو قوم اس مخالفت میں پوری شدومد کے ساتھ مصروف عمل ہو گئی (۳۵)۔ نتیجتاً ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ایک ایسی خلیج پیدا ہو گئی اور ہندوؤں کے دل مسلمانوں سے نفرت کرنے لگے حتیٰ کہ اس کا دائرہ بازاروں بلکہ سکولوں تک جا پہنچا (۳۶) اسی طرح شملہ وفد (۳۷) مسلمانوں کا ہی معاملہ تھا لیکن ہندو تاریخ دان اور سیاسی رہنماؤں نے شملہ وفد کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ان میں چوٹی کے رہنما سریندر ناتھ بنرجی۔ طفیل احمد منگلوری اور لال بہادر شامل تھے۔ ان تمام حضرات نے اس کو اینگلو انڈین مفادات کی سازش کا نام دیا اور کبھی اس کو غیر نمائندہ وفد کہا (۳۸)۔ جب کہ دو اہم پہلوان نظروں سے اوجھل نہ تھے۔

۱) محمڈن ڈیفنس ایسوسی ایشن قائم کردہ سر سید نے 1896ء میں جو مطالبات پیش کئے تھے وہی

مطالبات شملہ وفد نے 1906ء میں پیش کئے تھے۔ اس وقت وہ انگریزوں کے ذہن کی پیداوار اور ان کی سامراجیت کی تقویت کے لئے نہیں تھے۔ لیکن اب جبکہ وائسرائے نے کہا کہ سردست میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جب تک میرا تعلق اس ملک کے امور سے ہے مسلمانانِ ہند مطمئن رہ سکتے ہیں کہ ان کے حقوق و مفادات کا پورا خیال رکھا جائے گا۔ (۳۹)

تو یہ مطالبات انگریزوں اور مسلمانوں کی سازش ہو گئے۔

۲) بقول ایک کانگریسی مورخ

''تمام مسلمان اس وفد کی کامیابی سے خوش تھے'' (۴۰)

لیکن ان حقیقتوں کے باوجود محض مسلم دشمنی کی بنا پر اس وفد کے خلاف اپنی مہم جاری رکھی یہی طرزِ عمل آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کے وقت (1906ء) میں دیکھنے میں آیا مسلم لیگ کے مقاصد اظہارِ وفاداری پر بے انتہا تنقید کی لیکن ایسا کرتے ہوئے ہندو رہنما کانگریسی صدور سریندر ناتھ بینرجی (۴۱)۔ دادا بھائی نوروجی (۴۲) (1825 تا 1917) اور فیروز شاہ مہتہ (۴۳) اور دیگر رہنماؤں کی وہ تقاریر پس پشت ڈالدیں جن میں انگریزوں کے ساتھ وفاداری کا اظہار کیا گیا تھا۔ اور اس تمام طرزِ عمل (۴۴) کو نظر انداز کر دیا گیا تھا جو کانگریس کے اجلاس میں انگریز گورنروں اور انگریزی حکومت کے بارے میں اختیار کیا جاتا تھا۔ اس طرزِ عمل کو دیکھتے ہوئے کانگریس کے سرکاری مصنف سیتارامیہ نے تسلیم کیا کہ ۔۔۔۔ ابتدائی زمانہ میں کانگریس کو اپنی وفاداری کے مظاہرے سے عشق تھا۔ (۴۵)

منٹو مارلے اصلاحات (۴۶) (1909) اس لئے بھی کانگریس کو ناقابل قبول تھیں کہ مسلم لیگ نے اپنے اجلاس منعقدہ 1910ء بمقام دہلی ان کا خیر مقدم کیا تھا اسی طرح جسٹس سید امیر علی (1849 تا 1928) نے لندن مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ 1910 میں اس کے حق میں تقریر کی تھی۔ چنانچہ سریندر ناتھ بینرجی۔ مدن موھن مالویہ (1861 تا 1946) اور دیگر سیاسی رہنماؤں نے اس پر سخت تنقید کی۔ (۴۷)

معاہدہ لکھنؤ (۴۸) برطانوی سامراجیت کے خلاف ایک بڑی پیش رفت تھی لیکن معاہدے کی روشنائی ابھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ کانگریس کے انتہا پسند طبقے نے اس پر زبردست تنقید کی اور بالآخر وہ روح ہی ختم کر دی جو مشترکہ لائحہ عمل کی بنیاد بن رہی تھی گاندھی جی (1869 تا 1948) نے تحریک خلافت (۴۹) کا خاتمہ بھی اسی لئے کر دیا کہ اس کی بنیاد پر مسلمانان ہند میں تحریک و تنظیم پیدا ہو رہی تھی۔ تجاویز دہلی (۵۰) اور نہرو رپورٹ میں قائداعظم کی تراامیم کو بے رحمی اور ناعاقبت اندیشی سے صرف اس لئے رد کر دیا کہ مسلمانوں کے مفادات کا کچھ نہ کچھ تک تحفظ نظر آتا تھا۔

کانگریسی راج 1937 تا 39ء نے تمام مسلمانوں پر ہندوؤں کی وہ ذہنیت آشکار کر دی جو انہوں

نے گاندھی جی کے ہندوستانی نیشنلزم اور جواہر لال نہرو کے سوشلزم اور سیکولرزم کے پردہ میں چھپائی ہوئی تھی۔ ایک ہزار سال کے بعد ہندوؤں کو اقتدار ملا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کو اس ڈھائی سالہ دور میں جس قدر تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اس کا اندازہ صرف اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب کانگریسی وزارتوں نے استعفیٰ دیا (۵۲) اور قائد اعظم نے 22 دسمبر 1939ء کو یوم نجات منانے کی اپیل کی تو پورے ہندوستان میں مسلم اکثریت و اقلیت کی تخصیص کے بغیر یہ دن منایا گیا (۵۲ الف) نیز اس مختصر سے دور اقتدار میں ہندوؤں نے جو مسلم کش رویہ اختیار کیا اس کی گواہی کے لئے پیٹر پورٹ ''شریف رپورٹ'' سی پی میں کانگریس راج اور کانگریس کے عہد میں مسلمانوں کی تکالیف موجود ہیں۔

یہ تھے وہ حالات جن میں مسلمانوں نے علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا کیونکہ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ

۱۔ ہندوستان اقوام کا ملک ہے۔

۲۔ مسلمان اقلیت نہیں بلکہ ہر لحاظ سے ایک علیحدہ قوم ہیں۔ قومیت کی ہر تعریف پر وہ پورا اترتے ہیں۔ بلکہ لفظ قوم سے بھی کہیں بڑھ کر وہ ایک امت ہیں۔

۳۔ ہندوؤں کی بے رحم اکثریت مسلم قوم اور مسلم تہذیب و تمدن کو ہر صورت میں ختم کر دینے کے درپے ہے۔

ہم مختصراً یہ کہہ سکتے ہیں کہ

دو قومی نظریہ کا لفظی پیکر اول ہندوستان کو ایک ملک نہیں فی نفسہ بطور برصغیر ظہور پذیر ہونے پر ہوا جس کی نشاندھی سب سے پہلے سر سید احمد خاں نے کی

دوئم : اس احساس پر کہ مسلمان من حیثیت الجماعت ایک ایسی علیحدہ قوم ہیں جن کی تاریخ' ثقافت' اقدار اور رہن سہن ہندوؤں سے یکسر مختلف ہے اس کا اعلان بھی سر سید احمد خاں نے کیا

سوئم : اس اعلان پر کہ مسلمانوں کو ایک اقلیت نہیں قوم سمجھا جائے اور ان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے اس کا اعلان آغا خاں (1877 تا 1957) نے کیا

چہارم : آل پارٹیز مسلم کانفرنس نے یکم جنوری 1929 کو ایک ہمہ گیر قرارداد منظور کی جس کا منشا یہ تھا کہ ایسے ہندوستانی وفاق کے تحت جس میں واحد (صوبے) کلی طور پر خود مختار ہوں ii مرکز ڈھیلا ڈھالا ہو iii مرکز اپنے اختیارات کے لئے اپنے واحدوں (صوبوں) پر انحصار کرتا ہو گویا ہندوستان کے اندر رہتے ہوئے مسلم اکثریتی علاقے روزمرہ معاملات میں کسی غیر ملکی یا ملکی اکثریتی دباؤ سے آزاد ہوں (۵۲ ب)

پنجم : اس قوم کے لئے ایک آزاد خود مختار مملکت کے لئے حد بندی کی جائے۔ جس کا باقاعدہ مطالبہ آل انڈیا مسلم لیگ سے پہلی بار علامہ اقبال نے 29 دسمبر 1930ء الہ آباد میں کیا۔ اگرچہ اقبال سے بہت پہلے بھی مختلف مسلم مفکرین۔ ہندو رہنما اور انگریز دانشور بھی ہندوستان کی تقسیم (۵۳) کا تصور پیش کر چکے تھے

لیکن جس یقین اور اعتماد کے ساتھ اقبال نے مسلمانوں کی کل ہند گیر تنظیم کے اجلاس میں پیش کیا وہ ایک بڑی پیش رفت تھی۔ اقبال نے کہا

> میری ذاتی طور پر خواہش ہے کہ پنجاب۔ صوبہ سرحد۔ سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے۔ خواہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومتِ خود مختاری حاصل کرے خواہ اس کے باہر۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان میں ایک منظم ریاست ہند کے مسلمانوں کا مقدر بن چکی ہے قسمت بنگالہ یا اس قسم کے دوسرے اضلاع کو الگ کر دینے سے جن میں ہندو آبادی کا غلبہ ہے اس کی وسعت اور انتظامی پیچیدگیوں اور اصلاحات میں بھی اور کمی ہو جائے گی۔ پھر ان اضلاع کی علیحدگی سے مسلم اقلیتوں کے حقوق کہیں زیادہ محفوظ ہو جائیں گے اس تجویز کو سن کر انگریزوں کو پریشان ہونا چاہیے نہ ہندوؤں کو۔ ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت زندہ رہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کر سکے۔ اس طرح نہ صرف ہندوستان کا مسئلہ حل ہو جائیگا بلکہ خود اس سے مسلمانوں کا احساس ذمہ داری قوی ہو جائیگا اور ان کا جذبہ حب الوطنی بڑھ جائے گا۔ (۵۴ الف)

علامہ اقبال کا یہ خطبہ ء صدارت جدت افکار و عالمانہ و مجتہدانہ صلاحیتوں کا مظہر تھا۔ بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے قبل اس قدر مدلل اور قطعی انداز میں ایک علیحدہ مملکت کے لئے کوئی تجویز پیش نہیں کی گئی تھی بلا شبہ یہ ایک بڑی پیش رفت تھی۔ اس بناء پر علامہ اقبال مفکر پاکستان کہلائے۔

علامہ اقبال نے اس کو کوئی نام نہیں دیا۔ البتہ چوہدری رحمت علی (1897 تا 1951) نے اس کو پاکستان کا نام دیا۔ وہی اس لفظ کے بانی تھے۔ انہوں نے گول میز کانفرنس اول (1930) کے مسلمان مندوبین سے الگ الگ ملاقاتیں کیں اور ان پر واضح کیا کہ قومیت قبول کرنے سے ہندوستان میں مسلمانوں کی انفرادیت ختم ہو جائیگی (۵۴)۔ اس سے قبل 1915ء میں بزم شبلی کے افتتاحی خطبہ میں انہوں نے کہا تھا کہ

> ''ہندوستان کا شمالی علاقہ مسلم ہے اور ہم اسے مسلم علاقے کی حیثیت سے ہی برقرار رکھیں گے بلکہ یہی نہیں ہم اس کو ایک ریاست بنائیں گے اور ہم یہ صرف اس وقت کر سکتے ہیں کہ جب ہم کو اور ہمارے شمالی علاقے کو ہندوستان

کہنا موقوف کر دیا جائے اس لئے کہ یہ اس کے لئے شرط اولین ہے۔ لہذا جس قدر ہم ہندوستانیت سے پیچھا چھڑائیں گے اتنی ہی ہمارے لئے اور اسلام کے لئے سود مند بات ہوگی''۔ (۵۵)

1933ء میں انہوں نے باقاعدہ سکیم پیش کی کہ ہندوستان جس طرح آج کل اپنی ہیئت جدیدہ میں ہے ہمیشہ سے اس طرح انگریزوں سے پہلے کبھی بھی نہیں رہا۔ موجودہ ہندوستان کے پانچ شمالی صوبوں۔ پنجاب۔ شمالی مغربی سرحدی صوبہ۔ کشمیر۔ سندھ اور بلوچستان میں چار کروڑ کی آبادی میں ہم تقریباً تین کروڑ ہیں۔ یہ تین کروڑ کی آبادی زندگی کی ہر قدر اور زیست کے ہر پہلو میں ان تمام قوموں سے بنیادی طور پر مختلف ہے جو بقیہ ہندوستان میں رہتی ہیں اور جس کا نام پاکستان ہے۔ یہ پیغام ہے کہ وہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ اب یا پھر کبھی نہیں یا تو ہم آزاد رہیں گے یا فنا ہو جائیں گے۔ گزشتہ صدی کی تاریخ (بر طانوی ہند) علانیہ ایک انتباہ ہے اگر اس کو نہ سمجھا تو ہم پر الزام عائد ہوگا کہ ہم نے تمام تاریخی کروٹوں سے چشم پوشی اختیار کر لی اور اپنی تباہی کو خود اجازت دے دی۔ (۵۶)

یہ تاریخی اعلان 28 جنوری 1933 کو کیمبرج سے جاری ہوا اس پر چوہدری رحمت علی کے علاوہ جن حضرات گرامی کے دستخط ثبت ہوئے ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں :

محمد اسلم خان خٹک۔ صدر خیبر یونین

صاحبزادہ شیخ محمد صادق (۵۷)

عنایت اللہ خاں آف چارسدہ معتمد خیبر یونین

چوہدری صاحب نے اپنی تحریک کا نام بھی نیشنل موومنٹ رکھا چوہدری رحمت علی نے اپنی مہم کتابچوں۔ دستی اشتہاروں رسالوں اور دوسرے تحریری مواد کی مدد سے جاری کی نیز پاکستان کے نام سے ایک ہفت روزہ بھی جاری کیا جس کے خاطر خواہ نتائج سامنے آئے۔ (۵۸)

10 اکتوبر 1938ء کو سندھ صوبائی مسلم لیگ کانفرنس نے ایک قرار داد منظور کی کہ یہ کانفرنس ہند کے حالات کے پیش نظر ضروری سمجھتی ہے کہ ہندوستان دو وفاقوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ کانفرنس آل انڈیا مسلم لیگ سے استدعا کرتی ہے کہ دستور کی ایک ایسی سکیم وضع کی جائے جس کے تحت مسلم اکثریتی صوبے دیسی مسلم ریاستیں اور وہ علاقے جو از روئے آبادی مسلم اکثریتی ہیں ایک وفاق کی شکل میں اس طرح آزادی حاصل کریں کہ ہندوستان کی سرحدوں سے باہر کسی بھی مسلم ریاست کو اس بات کی اجازت ہو کہ وہ اس مجوزہ وفاق میں شامل ہو سکے۔ نیز اس وفاق میں غیر مسلم اقلیتوں کو مکمل تحفظ حاصل ہو۔ (۵۹)

یہ پہلی قرار داد تھی جو مسلم لیگ کے کسی بھی پلیٹ فارم سے پیش کی گئی تھی اس کانفرنس کی

صدارت قائداعظم محمد علی جناح (1876 تا 1948) نے کی۔ قائداعظم نے اپنے خطبہ صدارت میں تاریخ یورپ کا بھی تجزیہ کیا اور وہاں کے معاشرتی حالات کا تقابلی جائزہ ہند کی ملتِ اسلامیہ کے حالات سے کیا اور پھر واضح کیا کہ جس طرح جرمن جوروستم کا نشانہ بننے کے بعد زندہ رہے اس طرح مسلمان بھی برصغیر ہند میں اپنے مقاصد میں کامیاب رہیں گے۔ (۶۰)

سر عبداللہ ہارون (1880 تا 1942) نے قائداعظم کے خطبہ اور متذکرہ بالا قرارداد کی نقلیں سر آغا خان (1957۔1877) کی خدمت میں روانہ کیں۔ انہوں نے جواباً تحریر کیا کہ ہندو مسلم تعلقات کے بارے میں ہم سب ایک امکانی حل کو پسند کریں گے کیا آپ کی لیگ پاکستان کو آخری و قطعی حل سمجھتی ہے اگر ایسا ہے تو رائے عامہ بیدار کیجئے۔ (۶۱)

مسلم لیگ نے رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے جب منصوبہ بندی کا آغاز کرنا چاہا تو رائے عامہ کو پہلے ہی بہت زیادہ ہموار پایا چنانچہ جس اجلاس میں علیحدہ مملکت کے لئے قرارداد منظوری کے لئے پیش کی گئی اس کے بارے میں مخالفین تک یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ ''یہ اجلاس (ستائیسواں 22 تا 24 مارچ 1940) مجمع کے اعتبار سے نہایت کامیاب رہا'' (۶۲) بہر حال مسلم لیگ کا یہ اجلاس جس کیلئے بڑا اہتمام تھا وقت مقررہ پر شروع ہوا قائداعظم نے اپنے خطبہ صدارت میں کہا کہ برطانوی ہند میں یہ مسئلہ دو فرقوں کے درمیان نہیں بلکہ دو قوموں کے درمیان ہے یہ مسئلہ فرقہ وارانہ نہیں بلکہ بین الاقوامی ہے اور اس کو اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے جب تک یہ بنیادی حقیقت سمجھ میں نہیں آئیگی اس وقت ہر دستور نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ ہندوؤں اور برطانویوں کے لئے بھی مضر ثابت ہوگا۔ چنانچہ اگر حکومت برطانیہ واقعی مخلصانہ انداز میں ہند کیلئے امن و خوشی چاہتی ہے تو اس کی صرف یہی صورت ہے کہ ہندوستان کو تقسیم کر کے بڑی اقوام کے لئے جداگانہ قومی وطن منظور کئے جائیں اس ضمن میں وہ خود اختیاری کے ساتھ قومی ریاستیں قائم کریں۔ اس سے دیگر امور کے علاوہ مسلمان اور دیگر اقلیتوں کے حقوق و مفاد کی زیادہ موثر طریقے پر حفاظت ہو جائے گی۔

یہ سمجھنا ہی مشکل ہے کہ اسلام اور ہندومت کی حقیقی فطرت ہمارے ہندو دستوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کا تعلق دو مختلف مذہبی فلسفوں۔ معاشرتی رواجوں۔ معاشی نظاموں اور ادبیات سے ہے بلکہ حقیقت اور زیادہ گہری ہے اور وہ یہ کہ دونوں قومیں ایسی تہذیبوں کی وارث بھی ہیں اور مقلد بھی کہ جن کی بنیاد متصادم خیالات پر ہے۔ تاریخ کا ایک واقعہ ایک قوم کے لئے باعثِ فخر و ناز جب کہ دوسری قوم کی وہ شکست ہے۔ ایک شخصیت ایک قوم کی فتح و کامرانی کا سبب بنتی ہے جبکہ وہی شخصیت دوسری قوم کے لئے ذلت و رسوائی کا موجب۔ چنانچہ دو ایسی اقوام کو ایک ہی نظام ریاست میں اس طرح باندھنے کا نتیجہ کہ ان میں ایک اکثریت میں ہو اور دوسری اقلیت میں یہ ہو گا کہ ان میں باہمی عداوت

بڑھتی جائیگی اور بالآخر وہ نظام تباہ ہو جائیگا۔

تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں جیسی برطانیہ عظمیٰ اور آئرلینڈ نیز چیکوسلاویکیہ اور پولینڈ کی اتحادوں کی لیکن تاریخ یہ بھی بتلاتی ہے کہ برصغیر ہند کے مقابلے میں بہت ہی چھوٹے چھوٹے جغرافیائی رقبے جو یک جا رہنے کی صورت میں ایک ملک کہے جاتے اتنی ہی ریاستوں میں تقسیم کر دیئے گئے جتنی اس ملک میں اقوام آباد تھیں۔ جزیرہ نمائے بلقان میں 7 یا 8 ریاستیں ہیں۔ مگر ہندوستان کے اتحاد کے لئے اور ''ایک قوم کے نظریہ'' کی بنیاد پر جس کا کوئی وجود نہیں یہ کوشش کی جارہی کہ ایک مرکزی حکومت ہونی چاہیے۔ حالانکہ 12 سو برس کی تاریخ گواہ ہے کہ یہ اتحاد حاصل نہیں ہو سکا اور ہندوستان ہمیشہ ہندو اور مسلم ہندوستان میں تقسیم رہا۔

ہندوستان کا موجودہ مصنوعی اتحاد صرف اس وقت سے ہے کہ انگریزوں نے اس پر تسلط حاصل کیا اور برطانوی سنگینوں سے قائم ہے لیکن جوں ہی برطانوی حکومت ختم ہوئی جس کا ملک معظم کی گورنمنٹ کے بیان میں کنایۃً ذکر ہے ایسی زبردست تباہی آئیگی جس کی مثال مسلمانوں کے بارہ سو سال میں نہیں ملے گی۔ یقیناً یہ وہ بڑا ورثہ ہوگا جو محض ڈیڑھ سو برس کی حکومت کے بعد اہل برطانیہ ہندوستان کے لئے چھوڑنا پسند نہیں کریں گے۔

مسلم ہندوستان کوئی ایسا دستور قبول نہیں کرے گا جو لازماً اکثریت پر منتج ہو کیونکہ گزشتہ ڈھائی سالوں میں ہمیں صوبائی دستور کا خوب تجربہ ہو چکا ہے۔ ایسی حکومت کا اگر دوبارہ اعادہ کیا گیا تو پھر خانہ جنگی ہوگی۔ اور ایسی نجی فوجیں بھرتی کی جائیں گی جن کے لئے مسٹر گاندھی نے سکھر کے ہندوؤں سے کہا ہے کہ اپنی حفاظت کریں خواہ عدم تشدد سے چوٹ کے بدلے چوٹ۔ اور اگر ان سے یہ نہ ہو سکے تو ان کو چاہیے کہ ترکِ وطن کریں۔

قومیت کی ہر تعریف کی رو سے مسلمان ایک قوم ہیں اس لئے ان کو الگ وطن چاہیے جہاں ہم آزادی و خود مختاری کے ساتھ نہ صرف اپنی تہذیب۔ نظریہ اور اقدار کے مطابق زندگی بسر کر سکیں بلکہ ایک آزاد و خود مختار قوم کی حیثیت سے اپنے ہمسایوں کے ساتھ معاملات کریں۔ ہماری قوم کے کروڑوں افراد نے ہم پر یہ مقدس فریضہ عائد کیا ہے کہ ہم کوئی ایسا باعزت اور پرامن حل نکالیں جو سب کے حق میں منصفانہ ہو مگر یہ بھی واضح رہے کہ ہم پر دھمکیوں اور تخویف کا کوئی بھی اثر نہیں ہو سکتا اور جو نصب العین ہم نے معین کر لیا ہے اس کے حصول کے لئے تمام نتائج و عواقب کو سامنے رکھتے ہوئے کمربستہ ہو جائیں اس کے لئے لازمی ہے کہ دوستو! تم قطعی فیصلہ کر لو اور پھر تدابیر پر غور کرو۔ اپنی تنظیم کو مستحکم کرو۔ صفوں میں تنظیم پیدا کرو۔ مجھے یقین ہے کہ وہ طاقت بنو گے جس کو ہر شخص تسلیم کریگا۔ (۶۳)

اس شب مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا جب کہ دوسرے روز سنجیدکٹس کمیٹی کا کیونکہ مجلس عاملہ کی

منظور کردہ قرارداد سبجیکٹس کمیٹی میں زیر بحث لائی گئی جس پر تفصیلاً بحث ہوئی۔ ایک ایک شق اور اس کا ایک ایک پہلو زیر بحث لایا گیا بالآخر 23 مارچ کی شب میں لیگ کا اجلاس تمام ہوا جس میں یہ تاریخی ریزولیوشن وزیر اعظم بنگال مولوی اے۔ کے فضل الحق نے پیش کیا کہ قرار پایا کہ غور و خوض کے بعد "آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی یہ رائے ہے کہ کوئی آئینی منصوبہ بغیر اس کے اس ملک میں قابلِ عمل اور مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہ ہوگا کہ وہ مندرجہ ذیل بنیادی اصولوں پر مبنی ہو۔

یعنی یہ کہ حد بندی کر کے اور ملکی تقسیم کے اعتبار سے حسب ذیل ردوبدل کر کے متصل واحدوں کو ایسے منطقے بنا دیا جائے کہ وہ علاقے جہاں مسلمان بہ اعتبار تعداد اکثریت ہیں جیسے ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی منطقوں میں اس طرح یکجا ہو جائیں کہ وہ ایسی خود مختار ریاستیں بنیں جن کے واحدے اندرونی طور پر بااختیار اور خود مختار ہوں۔

یہ کہ ان واحدوں میں اور ان علاقوں میں اقلیتوں کے لئے ان کے مذہبی۔ ثقافتی۔ اقتصادی۔ سیاسی۔ انتظامی اور دوسرے حقوق و مفاد کے تحفظ کے لئے ان کے مشورے سے بقدر ضرورت موثر اور واجب التعمیل تحفظات معین طور پر دستور کے اندر مہیا کئے جائیں۔ اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں جہاں مسلمان اقلیت ہیں حسبِ ضرورت موثر اور واجب التعمیل تحفظات ان کے دوسری اقلیتوں کے مذہبی۔ ثقافتی۔ اقتصادی انتظامی اور دوسرے حقوق و مفاد کی حفاظت کے لئے ان کے مشورے سے معین طور پر دستور کے اندر رکھی جائیں۔

یہ اجلاس مجلس عاملہ کو مزید اختیار دیتا ہے کہ ان بنیادی اصولوں کے مطابق دستور کی ایک ایسی سکیم مرتب کرے جس میں اس کا انتظام ہو کہ بالآخر یہ جداگانہ علاقے ایسے تمام اختیارات لے سکیں جیسے دفاع۔ امور خارجہ۔ رسل و رسائل۔ کسٹمس اور دوسرے امور جو ضروری ہوں۔ (۶۴)

اس ریزولیشن کی تائید کرنے والوں میں چوہدری خلیق الزماں ایم۔ ایل۔ اے (یوپی) کے علاوہ مولانا ظفر علی خاں ایم۔ ایل۔ اے مرکزی (پنجاب) سردار اورنگ زیب خاں ایم۔ ایل۔ اے (صوبہ سرحد) حاجی سر عبداللہ ہارون ایم۔ ایل۔ ایل مرکزی (سندھ)۔ خان بہادر نواب محمد اسماعیل ایم۔ ایل۔ سی (بہار) قاضی محمد عیسیٰ صدر لیگ (بلوچستان) سید عبدالرؤف ایم۔ ایل۔ اے (سی پی) ڈاکٹر عالم ایم۔ ایل۔ اے (پنجاب) سید ذاکر علی (یوپی) بیگم مولانا محمد علی جوہر (یوپی) مولانا عبدالحامد بدایونی (یوپی) قائداعظم کے خطبہ صدارت میں۔ ریزولیشن میں۔ تائید کرنے والوں کی تقاریر میں کہیں بھی لفظ پاکستان استعمال نہیں ہوا (۶۵) سوائے بیگم مولانا محمد علی جوہر کے بیان کے کہ جنہوں نے تقسیم ہند کی ریزولیشن کی بجائے اس کو پاکستان ریزولیشن کہہ دیا۔ لیکن ہندو پریس و قیادت حتیٰ کہ کانگریس قیادت نے بھی طعن و طنز کے طور پر اس کو ایسا اچھالا کہ مسلم لیگ نے بھی اس ریزولیشن کو پاکستان ریزولیشن اور اس

مطلوبہ مملکت کو پاکستان قرار دیا۔

یہ ایک بہت بڑی پیش رفت تھی کھوئے اقتدار کی بازیافت ایک ایسا نصب العین جو برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ کے تحت الشعور سے کبھی محو نہیں ہوا تھا۔ ہر آنیوالے لمحے نے اس نصب العین کی حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کی تھی کیونکہ ان کو ہر مرحلہ پر اپنے ملی انفرادیت کے تحفظ کا چیلنج درپیش تھا۔ اکثریت کی طور سے معاشی استحصال کی بناء پر ان کے وجود اور بقاء کو سنگین خطرات لاحق تھے۔ اکثریت کی چیرہ دستیوں سے بچنے کے لئے یہی ایک واحد راستہ رہ گیا تھا کہ وہ جہاں جہاں اکثریت میں ہیں وہاں وہ معاملات کے خود مختار ہوں یہی وجہ تھی کہ ریزولیشن کی تائید کرنے والوں میں وہ بھی شامل تھے جن کے علاقے نئی مملکت میں شامل نہیں ہونے تھے۔ یعنی ہندو اکثریت کی مسلم اقلیت۔ ان کا یہ قطعی ارادہ نہیں تھا کہ وہ مکمل طور پر ہجرت کر کے پاکستان آجائیں گے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ متعصب اور منتقم مزاج ہندو اکثریت تقسیم ہند کا انتقام ان سے لے گی۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ پاکستان کی جدوجہد کے صبر آزما مراحل میں ان کو زیادہ بھرپور اور فعال کردار ادا کرنا ہوگا کیونکہ اکثریت کے ظالمانہ اور مسلم دشمن رویئے سے مسلم اکثریت والے مسلمانوں کو سابقہ نہیں پڑا تھا۔ مگر اس کے باوجود اس نصب العین کو اختیار کرنے میں وہ اس لئے پیش پیش تھے کہ یہ تمام برصغیر کی ملت اسلامیہ کا ایسا قومی وطن ہوگا کہ جہاں مسلمان اپنے عقائد و نظریات اور اقدار کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے ضابطہ حیات مرتب کرنے میں آزاد خود مختار ہونگے۔ وہ اس تصور سے ہی بہت زیادہ سرشار اور فرحاں و نازاں تھے کہ ان کی کوششوں کے نتیجے میں ایک ایسا خطہ معرض وجود میں آرہا ہے جہاں اسلام اپنی پوری قوت و توانائی کے ساتھ اُبھرے گا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نصب العین کی اہمیت برصغیر کی ملت اسلامیہ پر جوں جوں واضح ہوتی چلی گئی مسلم لیگ اور قائداعظم اتنی ہی نمائندہ حیثیت اختیار کرتے چلے گئے۔ ہندو مورخ بھی یہ لکھنے پر مجبور ہوگیا کہ

> ''اب (قرارداد پاکستان کے بعد) لیگ کے ممبران کی تعداد 20 لاکھ ہوگئی تھی جبکہ صرف سترہ سال پہلے اس کے ممبران کی تعداد 1330 تھی۔ 1937 اور 1943 کے درمیانی عرصہ میں صوبائی اسمبلیوں کے ضمنی انتخابات میں 61 مسلمان نشستوں پر کامیابی حاصل کی۔ جبکہ آزاد مسلم امیدوارن کی تعداد دس (۱۰) رہی اور کانگریس کو محض چار (۴) نشستوں پر کامیابی حاصل ہو سکی (۶۶)

یہ امر قابل توضیح ہے کہ اس نصب العین کو اختیار کرنے سے پہلے مسلم لیگ کو مسلم اکثریتی علاقوں میں کسی بھی قسم کی پذیرائی حاصل نہ تھی۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ تمام مسلم اکثریتی علاقوں میں مسلم لیگ سب سے زیادہ غیر مقبول جماعت تھی (۶۷) لیکن مسلم لیگ نے جوں ہی یہ ریزولیشن پاس کیا وہ روز

بروز مسلمانوں میں مقبولیت حاصل کرنے لگی اور تھوڑے عرصے بعد ہی مسلم لیگ اتنی مستحکم۔ توانا اور مسلمانانِ ہند کی نمائندہ ہوگئی کہ 1943ء میں مسلم لیگ نے پانچ مسلم اکثریتی صوبوں میں سے چار میں اپنی وزارتیں قائم کرلیں۔ (۶۷) اسی نصب العین کے اختیار کرنے سے قائداعظم نے (۶۹) شملہ کانفرنس میں ایک مضبوط موقف اختیار کیا کہ مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے نامزدگی کا حق صرف اور صرف مسلم لیگ کو ہے اس سے قبل وار کمیٹی اور وار کونسل میں بھی وہ اسی قسم کے طرزِ عمل کو اختیار کر چکے تھے۔ (۷۰) اور اسی قوت کے سہارے انہوں نے 46-1945 کا انتخاب لڑا جس میں مسلم لیگ نے تمام مسلم مرکزی نشستیں جو کہ تیس (۳۰) تھیں حاصل کرلیں۔ اسی طرح صوبوں میں بھی مسلم لیگ کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔ بنگال 119 میں سے 113' پنجاب 84 میں 79' صوبہ سرحد 50 میں سے 17 مسلم لیگ نے نشستیں حاصل کر لیں۔ (۷۱) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے خالد بن سعید نے کہا کہ مسلم لیگ کی کامیابیوں میں اسلام۔ علماء و مشائخ۔ اور ''ایک آزاد خود مختار مملکت کا حصول'' کے نصب العین نے فیصلہ کن کردار ادا کیا (۷۲)

ایک آزاد و خود مختار مملکت کا حصول صرف اور صرف اس لئے نصب العین قرار دیا گیا تھا کہ یہی کوشش تاریخ کی سب سے بڑی شہادت تھی۔ اس شہادت کو جھٹلانے کی تمام کوششیں غیر فطری اور مصنوعی بنیادوں کی حامل تھیں۔ کیونکہ ان دونوں قوموں کے عقائد و نظریات ایک دوسرے سے مختلف ہی نہیں متصادم بھی ہیں۔ ان کی تہذیبی اقدار ثقافتی ورثہ۔ اور فلسفہ حیات مجموعہ اضداد ہیں۔ مسلمانوں کی تہذیب جغرافیائی حدود سے مبرا ہے۔ مساوات نسلِ انسانی کی علمبردار اور نسلی عزو شرف کی نفی کرتی ہے جبکہ ہندو تہذیب غیر ملکی سفر کو خلافِ مذہب سمجھتی ہے اور ذات پات کی تقسیم کو مذہبی تحفظ فراہم کرتی ہے اسلامی تعلیمات کے مطابق حصولِ تعلیم اور انتخاب روزگار ہر انسان کا بنیادی حق ہے جبکہ ہندومت تعلیم کو محض برہمن کا حق سمجھتا ہے اور پیشوں کا انتخاب ذاتوں میں محدود کرتا ہے غرضیکہ معیشت کے اصول ہوں یا خانگی اور ازدواجی تعلقات و حقوق نسواں کے معاملات ہوں یا بعد از موت زندگی کا تصور ان دونوں تہذیبوں کی بنیاد یکسر مختلف ہے ایک قوم کی شکست دوسری کی فتح ہے اور ایک قوم کا ہیرو دوسری کا دشمن ہے اسی تاریخی تناظر کی بناء پر باہمی اتحاد و یگانگت کی تمام کوششیں ہمیشہ ناکام رہیں۔ خواہ وہ عظیم مغل حکمرانوں نے کیں یا تصوف اور انسان دوستی کے نام پر پجاریوں۔ صوفیوں۔ دانشوروں اور مفکروں نے کیں یا اس کی کوششیں انڈین نیشنل کانگریس خلافت کمیٹی اور کسی نہ کسی حد تک آل انڈیا مسلم لیگ نے کیں یا علمائے ہند کی نمائندہ جماعت جمعیت العلماء ہند اس کی مدعی رہی۔ کیونکہ ہندومت اور اسلام میں جو خلیج حائل تھی وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے وسیع تو ہو سکتی تھی کم نہیں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ اس بڑھتی ہوئی خلیج کی بناء پر برصغیر کی تقسیم۔ مسلم برصغیر اور ہندو برصغیر ناگزیر تھی۔ یہ تاریخ کا فیصلہ تھا جس سے گریز

نہیں ہو سکتا تھا۔ جس کو کانگریسی قیادت۔ نام نہاد نیشنلسٹ مسلمان اور برطانوی حکومت تو ایک طرف تمام قوتیں ملکر بھی نہیں روک سکتی تھیں۔ اور نہ ہی روک سکیں۔ نتیجتاً 14 اگست 1947ء کو ایک آزاد خود مختار مملکت۔ مملکتِ خداداد پاکستان معرض وجود میں آگئی۔

حوالہ جات و توضیحات

۱۔ شورش کاشمیری : بوئے گل، نالہ دل۔ دودِ چراغ محفل : لاہور ۱۹۷۲ ص ۲۹۶ تا ۲۹۷

۲۔ آپ ﷺ کے الفاظ یہ تھے فلیبلغ الشاہد الغائب : یعقوب علی، قوانین اسلامی کا نفاذ' لاہور ۱۹۷۱ ص ۳۷

۳۔ سید طفیل احمد منگلوری : مسلمانوں کا روشن مستقبل' لاہور طبع پنجم ص ۵۳ تا ۵۴

۴۔ ابو ریحان البیرونی : کتاب الہند (ترجمہ) لاہور (س۔ن) ۱۲۴ تا ۲۵

۵۔ ایضاً

۶۔ تفصیل کے لئے دیکھیے سٹینلے لین پول۔ Mediaeval India under Muhammadn Rule لاہور ۱۹۷۹۔

۷۔ تفصیل کے لئے دیکھیے۔ سٹینلے لین پول بحوالہ سابقہ ص ۲۰۶ تا ۲۱۷

۸۔ مغلوں کے دورِ زوال کے لئے دیکھیے ولیم اردن The Later Mughals عالمی بدلتے ہوئے حالات جنہوں نے ہندوستان پر براہِ راست اثر ڈالا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ 20 مئی 1498ء کو مشہور عالم پرتگیزی سیاح واسکوڈی گاما چند عرب جہازرانوں کی مدد سے ہندوستان کی بندرگاہ کالی کٹ پہنچا۔ جہاں اس وقت ہندو راجہ زیمرون کی حکومت تھی۔ واسکوڈی گاما کے اس کامیاب سفر کے بعد فاتح برازیل پیڈرو ایلوریز کیرال کی نگرانی میں ایک بڑا فوجی بیڑہ بھیجا۔ اور بعد ازاں جنوبی ہند میں ایک پرتگیزی نوآبادی کی بنیاد رکھی یورپی اقوام کی طرف سے ہندوستان میں نوآبادیات کا یہ نقطہ آغاز تھا۔ اس کے بعد دیگر یورپی اقوام ولندیزی۔ فرانسیسی اور برطانوی نے بھی ہندوستان کا رخ کیا نتیجتاً ہندوستان غیر ملکی استعماری قوتوں کی باہمی چپقلش کا اکھاڑہ بن گیا۔

تفصیل کے لئے دیکھیے کے۔ کے۔ عزیز

A Study of Indian History(A study in Inperialism) اسلام آباد س ن مزید دیکھیے۔ کے۔ کے۔ عزیز The British in India اسلام آباد س ن مزید دیکھیے۔ باری علیگ : کمپنی کی حکومت' لاہور س ن

۹۔ تفصیل کے لئے دیکھیے : ۔ آر۔ ایچ۔ ڈوزی Spanish Islam (س۔ن) (م۔ن) مزید دیکھیے ابن بشکوال 'کتاب الصلۃ فی اخبار ائمۃ الاندلس۔ جلد دوئم مترجم ایس۔ پی سکاٹ

(س۔ن)'(م۔ن)

۱۰۔ تفصیل کے لئے دیکھیے :۔ مناظر احسن گیلانی۔ تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ

۱۱۔ صفدر محمود Founder of Pakistan لاہور 1968 ص 6 تا 7

۱۲۔ مشہور متعصب مصنف بیگم چندر چڑ جی (1938 تا 1894) نے یہ اعلان اپنے ایک مضمون میں کیا تھا جو اس نے 1872ء میں تحریر کیا تھا جس کو ڈاکٹر موجمدار نے اپنی کتاب ہندوؤں کی تحریک آزادی جلد اول ص میں نقل کیا۔

۱۳۔ ملاپ (روزنامہ) (اردو) لاہور 16 اپریل 1929

۱۴۔ تیج (روزنامہ) (اردو) (دہلی) کرشن نمبر 1924ء

۱۵۔ آر۔ سی۔ موجمدار Advanced History of India (س۔ن) (م۔ن) ص 403

۱۶۔ ایم۔ اے۔ ایچ اصفہانی Quaid-i-Azam As I knew Him کراچی 1976 ص ۱۱

۱۷۔ مولوی طفیل احمد منگلوری بحوالہ سابقہ ص 36'95 تا 96

۱۸۔ اصفہانی حوالہ سابقہ ص : 11

۱۹۔ تفصیل کے لئے خورشید مصطفیٰ رضوی جنگ آزادی دہلی' 1959

۲۰۔ حوالہ محمد امین زبیری مسلمانوں کی سیاست ملی، (س۔ن) (م۔ن)' ص 16 مزید دیکھیے ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر Our Indian Muslamnas کلکتہ 1945 ص 3

۲۱۔ ایضاً ص' 144 تا 45

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ حوالہ احمد سعید' گفتار قائداعظم' اسلام آباد' 1976ء ص 199

۲۴۔ عاشق حسین بٹالوی' ہماری قومی جدوجہد' لاہور 1966 ص 116

۲۵۔ احمد سعید' حصول پاکستان' لاہور' 1989ء ص 131 تا 32

۲۶۔ محمد امین زبیری' تذکرہ سرسید' لاہور طباعت دوئم ص 177

۲۷۔ الطاف حسین حالی' حیات جاوید' لاہور' 1984 ص 144 مزید دیکھیے احمد سعید حوالہ سابقہ ص 50

۲۸۔ محمد امین زبیری حوالہ سابقہ ص 178

۲۹۔ ایضاً ص 284

۳۰۔ رفیق افضل' گفتار اقبال' لاہور 1969 ص 73

۳۱۔ لال بہادر The Muslim League لاہور 1979 ص 4 مزید دیکھیے ولیم ایس لٹی

India and its problems لندن 1942ء ص 242 تا 43

۳۲۔ پیٹر ہارڈی The Muslims of British India کراچی 1973 ص 131

۳۳۔ رچرڈ سمنڈر :۔ The Making of Pakistan (س۔ن) (م۔ن) ص 32

۳۴۔ صفدر محمود حوالہ سابقہ ص 46

۳۵۔ تمام بنگالی اخبار اسکی مخالفت میں پیش پیش تھے اور ہندو عوام کی دلچسپی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ 1904 اور 1905 کے دوران بنگالی اخبار جس کا ایڈیٹر سریندناتھ بینرجی تھا اور جو اس تحریک کی قیادت کر رہا تھا کہ تعداد 3 ہزار سے گیارہ ہزار ہو گئی۔ اسی طرح آمریت بازار پتریکا جس کا ایڈیٹر ایس۔ کے گھوش تھا اور وہ بھی اسی تحریک کے صفِ اول کے قائدین میں سے تھا کی اشاعت (2000) ۲ ہزار سے بڑھکر (7500) سات ہزار پانچ سو ہو گئی۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیے : حسن ریاض، پاکستان ناگزیر تھا کراچی (س۔ن) مزید دیکھیے اشتیاق حسین قریشی The Emergence of Pakistan لاہور 1987ء ص 14

۳۶۔ نراد سی چوہدری The Autobiography of an unknown Indian لندن 1956 حوالہ احمد سعید، تحریک پاکستان اور معاشرتی تناظر میں لاہور 1985 ص 85

۳۷۔ شملہ وفد کی تفصیل کے لئے دیکھیے
سید رضی واسطی Lord Minto & Indian Nationalist Movement
لاہور 1964

۳۸۔ سید طفیل احمد بنگلوری حوالہ سابقہ ص 364 تا 69

۳۹۔ رضی واسطی۔ حوالہ سابقہ ص 72

۴۰۔ سید طفیل احمد بنگلوری حوالہ سابقہ ص 366

۴۱۔ سریندر ناتھ بینرجی نے کہا :۔
برطانوی حکومت کا مکمل اور مستقل خیر خواہ مجھ سے زیادہ اور میرے ان دوستوں سے زیادہ جو میرے اردگرد بیٹھے ہیں کوئی اور نہیں سیتار آمیہ'
The History of the Indian National Congress
بمبئی 1946 ص 61

۴۲۔ دادا بھائی نوروجی نے کہا :۔
ہم کو مردوں کی طرح اعلان کرنا چاہیے کہ ہم مکمل طور پر انگریزوں کے وفادار ہیں ہم ان فوائد کو سمجھتے ہیں جو انگریزی حکومت نے عطا کئے ہیں ہم اس انگریزی تعلیم کی قدر کرتے

ہیں جس نے ہمارے اندھیرے کو اجالے میں بدل دیا ہے (سیتارامیہ حوالہ سابقہ ص 61'
100 تا 101

۴۳۔ سر فیروز شاہ مہتہ نے بھی برطانوی تاج سے وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''ہماری وفاداری کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے طے ہو گیا ہے (سیتارامیہ حوالہ سابقہ ص 61)

۴۴۔ 1914 میں لارڈ پینٹ لینڈ گورنر مدراس کانگریس کے پنڈال میں آئے تو تمام لوگوں نے تالیاں بجائیں تمام ایوان کھڑا ہو گیا کاروائی روک دی گئی اور تاج برطانیہ کے ساتھ وفاداری کے ساتھ وفاداری کی قرارداد منظور کی گئی۔

ii 1916 میں لکھنوء کے اجلاس کانگریس میں سر جیمس مسٹن داخل ہوئے تو تمام حاضرین ان کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ (سیتارامیہ حوالہ سابقہ ص 101)

ابتدائی دور میں کانگریس کا اجلاس میں یونین جیک لہرایا جاتا تھا (احمد سعید حوالہ سابقہ ص 48) کانگریس کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لئے انگلستان سے بااثر انگریز آتے تھے اور کانگریس انکا ایسا استقبال کرتی تھی جس کو کانگریسی مورخ نے شاہانہ استقبال لکھا ہے اسی طرح کانگریس برسوں میٹر گلیڈ اسٹیون کی سالگرہ مناتی تھی۔ (سیتارامیہ حوالہ سابقہ ص 79)

۴۵۔ سیتارامیہ حوالہ سابقہ مزید دیکھیے حسن ریاض حوالہ سابقہ ص 43 مزید دیکھیے
احمد سعید حوالہ سابقہ ص 47 تا 48

۴۶۔ تفصیل کے لئے دیکھیے: سید رضی واسطی حوالہ سابقہ

۴۸۔ تفصیل کے لئے دیکھیے جی الانہ Pakistan Movement Historic Document
لاہور 1977 ص 25 تا 33

۴۹۔ تفصیل کیلئے دیکھیے: ایم۔اے عزیز A History of Pakistan لاہور، 1979
ص 122 تا 29

۵۰۔ ایضاً ص 140 مزید دیکھیے وحید الزماں، Towards Pakistan، لاہور 1954
ص 33 تا 34

۵۱۔ تفصیل کے لئے: ایم۔اے عزیز حوالہ سابقہ ص 140 تا 42 مزید دیکھیے
حسن ریاض حوالہ سابقہ ص 161 تا 64 مزید دیکھیے
وحید الزماں حوالہ سابقہ ص 36 تا 39

۵۲۔ کانگریسی وزارتوں کے استعفیٰ کو وجوہات اور اسکے اثرات کیلئے دیکھیے
عاشق حسین بٹالوی حوالہ سابقہ: مزید دیکھیے حسن ریاض حوالہ سابقہ ص 206 تا 240

۵۲ الف) سید محمد سلیم، تاریخ نظریہ پاکستان لاہور 1996ء ص 228

۵۲ ب) مورس کاٹر اینڈ اے پاڈوری Speeches & Documents on Indian Constitution ص 224 مزید دیکھیے

کے۔ کے عزیز The All Parties Muslim Confrence کراچی 1972

۵۳۔ شریف الدین پیرزادہ Foundation of Pakistan جلد دوئم کراچی 1970 ص 194 تا 95

مزید دیکھیے: اشتیاق حسین قریشی حوالہ سابقہ ص 144 تا 38 مزید دیکھیے

سید محمد سلیم حوالہ سابقہ ص 230 تا 34

۵۴ الف)۔ احمد شجاع پاشا Pakistan: A Political Study لاہور 1995 ص 51

مزید دیکھیے۔ سید حیدر رضی قائداعظم کے 72 سال کراچی 1972 ص 364 تا 65

مزید دیکھیے۔ شریف الدین پیرزادہ حوالہ سابقہ ص 155 تا 60

۵۴ ب)۔ رحمت علی پاکستان (م۔ن) 1947 ص 222 تا 24

۵۵۔ ایضاً ص 255 مزید دیکھیے شریف الدین پیرزادہ حوالہ سابقہ 168 تا 69

۵۶۔ دیکھیے حوالہ نمبر 54 مزید دیکھیے۔ شریف الدین پیرزادہ ص 171 تا 73

۵۷۔ ایضاً

۵۸۔ چوہدری رحمت علی کی تجویز پر تفصیلاً بحث ہوئی ملکی و غیر ملکی ماہرین و اخبارات و میگزین نے اس پر قلم اٹھایا۔ تفصیل کیلئے دیکھیے۔ شوکت اللہ انصاری

Pakistan (س۔ن)(م۔ن) ص 7 مزید دیکھیے ٹریبون (روزنامہ)(انگریزی) لاہور

12 اکتوبر 1935 سول اینڈ ملٹری گزٹ //////19 اگست 1934

سٹیٹسمین (روزنامہ)(انگریزی)(دہلی) 3 اگست 1933 انسائیکلو پیڈیا آف اسلام۔

چوتھا ضمیمہ 1937 اشاعت اول خالدہ ادیب خانم ترجمہ (وذون ہند) In Side India

1973ء اشاعت اول باب ایک قوم یا دو قومیں ص 362

لانیشنڈیز عربے (روزنامہ)(جرمن) حوالہ شریف الدین پیرزادہ حوالہ سابقہ ص 184

۵۹۔ شریف الدین پیرزادہ حوالہ سابقہ ص 194 تا 95

مزید دیکھیے۔ Indian Annual Register جلد دوئم 1938ء ص 45 تا 47

مزید دیکھیے۔ سید حیدر رضی حوالہ سابقہ ص 329

۶۰۔ جے۔ سنگھ، سندھ مسلم لیگ کانفرنس: صدارتی خطبہ ایم۔ اے جناح ممبئی 1938 ص 15 تا 16

۶۱۔ خط بنام سر عبداللہ ہارون 20 دسمبر 1938 حوالہ اے۔ ایم۔ احمد شفیع حاجی سر عبداللہ ہارون : ایک سوانح عمری (س۔ن) (م۔ن) ص 140

۶۲۔ سید طفیل احمد منگلوری حوالہ سابقہ ص 461

۶۳۔ شفیق علی خاں، Two Nations Theory کراچی 1985 ص 421 تا 22
مزید دیکھیے : شریف الدین پیرزادہ حوالہ سابقہ ضمیمہ ب ص 372 تا 87
مزید دیکھیے حسن ریاض حوالہ سابقہ ص 250 تا 55

۶۴۔ ایضاً۔

۶۵۔ صفدر محمود، پاکستان تاریخ و سیاست لاہور 1988 ص 29

۶۶۔ راج موہن گاندھی (مترجم) محمد فاروق قریشی مسلم افکار لاہور 1996 ص 239

۶۷۔ 1937 کے صوبائی الیکشن میں سب سے زیادہ مسلم اکثریت کے صوبے پنجاب کے مسلم 86 حلقوں میں سے مسلم لیگ کو صرف دو نشستیں حاصل ہوئیں۔ ان دو میں سے صرف ملک برکت علی ہی مسلم لیگ میں رہے جبکہ راجہ غضنفر علی خاں (1895 تا 1963) نے کامیابی حاصل کرنے کے بعد مسلم لیگ کی مخالف پارٹی یونینسٹ میں باقاعدہ شمولیت کر لی اور پارلیمانی سیکرٹری کا عہدہ حاصل کر لیا۔ (عاشق حسین بٹالوی اقبال کے آخری دو سال، لاہور 1978 ص 32 مزید دیکھیے۔ نیو ٹائمز (روزنامہ) (انگریزی) (لاہور) 22 فروری 1937 اسی طرح بنگال جو سب سے بڑی مسلم آبادی کا صوبہ تھا وہاں مسلم لیگ کو صرف 40 (چالیس) نشستیں حاصل ہوئیں۔ جبکہ کل مسلم نشستیں 119 تھیں۔ (شفیق علی خاں) حوالہ سابقہ ص مزید دیکھیے سید محمد آصف رضوی :

Khawaja Nazim-ud-Din, Journal of Pakisan Studies Centre, Quetta University 1993 الغرض کل صوبائی مسلم نشستوں کی کل تعداد 482 تھی جن میں سے مسلم لیگ کو صرف 108 حاصل ہوئیں (دیکھیے وی۔ پی۔ معین) The Transfer of Power in India بمبئی 1957 ص 56
گویا اسطرح پورے برطانوی ہند کی مسلم نشستوں کا 22% پر صرف مسلم لیگ کو تصرف ملا۔ جبکہ الیکشن میں کانگریس نے 58 مسلم نشستوں پر انتخاب لڑا اور اسنے 26 نشستیں حاصل کیں گویا اس نے جو نشستوں پر انتخاب لڑا اس پر 45% کامیابی حاصل کی (دیکھیے اے۔ بی۔ راجپوت Muslim League Yesterday and Today لاہور 1948 ص 59 تا 60)

۶۸۔ قائداعظم کا خطبہ صدارت اجلاس مسلم لیگ دہلی 29 اپریل 1943 حوالہ دی ایسڑن ٹائمز

(روزنامہ)(انگریزی)(لاہور)29اپریل1943

۶۹۔ وی۔پی۔ منین حوالہ سابقہ ص183 تا215

۷۰۔ تفصیل کیلئے دیکھیے : جمیل الدین احمد

Historic Documents of Muslim Freedom Movement لاہور

1970 ص384 تا90 مزید دیکھیے : عاشق حسین بٹالوی ہماری قومی جدوجہد

جنوری1940 تا دسمبر1942 لاہور (س۔ن) ص65

مزید دیکھیے : سول اینڈ ملٹری گزٹ (انگریزی)(روزنامہ)(لاہور)11اگست1740

مزید دیکھیے : سٹینلے واپرٹ Jinah of Pakistan نیویارک1984 ص192

۷۱۔ 46-1954 کے الیکشن میں تمام بر طانوی ہند میں مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے دیکھیے :

ولدار ملک فیصلہ کن معرکہ لاہور1987

۷۲۔ خالد بن سعید Politics in Pakisan:The Nature & Direction of Change

نیویارک1980 ص15